مسلمان دُنیا اور جمہوریت

رمضان مبارک' خواتین و حضرات! میں محکمہ خارجہ کی طرف سے آپ کو سالانہ افطار تقریب میں خوش آمدید کہتا ہوں۔

آج شام ہم یہاں اپنے صدارتی انتخاب کے چند روز بعد ہی ایک خصوصی موقع پر جمع ہوئے ہیں اور میں یہاں میز پر ایک نوجوان سے گفتگو کر رہا تھا کہ ہمارا الیکشن کیسا رہا ہے اور الیکشن والے روز کیسا محسوس ہو رہا تھا' جب ہم دونوں کا اتار چڑھاؤ اور نتائج دیکھ رہے تھے؟ اور آپ میں سے جو لوگ ہمارے انتخابی نظام اور طریق کار سے واقف نہیں ہیں' وہ بہت پریشان دکھائی دیتے ہوں گے کہ اندر کیا ہو رہا ہے!!

لیکن آپ نے امریکی جمہوریت پر بہترین طریقے سے عمل ہوتا ہوا دیکھا ہے۔ آپ نے نظریات کا تصادم دیکھا ہے۔ آپ نے شخصیات کا تصادم دیکھا ہے۔ آپ نے حملے اور جوابی حملے دیکھے ہیں۔ آپ نے دفاعی اقدامات اور جارحانہ اقدامات دیکھے ہیں۔ یہ تقریباً فوجی لڑائی جیسا منظر نظر آتا تھا اور کسی حد تک میں بھی یہی محسوس کر رہا تھا۔

اس کا مقصد کیا تھا؟ اس کا مقصد عوام کو ایک سمت میں یا دوسری سمت میں جانے کی ترغیب دینا تھا اور امریکی عوام کو یہ دکھانا تھا کہ دونوں امیدواروں کا موقف کیا ہے اور یہ وہ طریق کار ہے' جس پر 1788ء میں اس کے آغاز سے اب تک ہم نے کسی رکاوٹ کے بغیر 55 بار عمل کیا ہے۔

اور آپ یہ جو سارا شور سن رہے ہیں' پریس کی دلیل بازی اور مبصرین کی بات چیت اور ہر بات پر تنقید' جو ٹیلیویژن' چینلز اور پرنٹ میڈیا میں نظر آتی ہے اور آپ جب یہ شور شرابا دیکھتے ہیں' ہو سکتا ہے آپ کے لیے پریشانی کا باعث ہو اور آپ حیران ہوتے ہوں کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔

لیکن اس شور شرابے کا بہت سادہ سا نام ہے۔ اس شور شرابے کو جمہوریت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایک جمہوری نظام' جس میں تو قع ہوتی ہے' جس میں نظریات اور شخصیات کے تصادم کی توقع ہوتی ہے' جس میں دو امیدوار یہ سب کچھ ایک واحد مقصد کے لیے کرتے ہیں اور یہ مقصد محض عہدہ حاصل کرنا نہیں' بلکہ یہ معلوم کرنا ہوتا ہے کہ امریکی عوام کیا چاہتے ہیں' ان کی امیدیں اور خواب کیا ہیں اور امریکی عوام سے یہ تحریک حاصل کرنا ہوتا ہے کہ وہ قیادت سے کیا چاہتے ہیں۔

ہم نے یہ سب کچھ منگل کے روز ظاہر ہوتے دیکھا ہے اور پھر ساری رات نتائج کا انتظار کرتے رہے' جو بدھ کی صبح کو سامنے آئے' پھر ان پر بہت بحث و مباحثہ ہوا' ڈیبیٹ ہوئی۔ لیکن پھر بدھ کی صبح کو سینیٹر کیری نے نتائج قبول کرنے کا اعلان کیا۔ ایک نہایت پروقار اور خوشگوار انداز میں' قوم کے متعلق بات کی اور ایک قوم بن کر متحد رہنے کی بات کی اور پھر کل بعد دوپہر آپ نے صدر بش کو سنا' جنہوں نے ہر ایک پر زور دے کر کہا' سینیٹر کیری کے ریمارکس کا خیر مقدم کیا اور ایک بار پھر مجتمع ہونے پر ہر ایک کا خیر مقدم کیا۔

ہم اپنے اختلافات واضح طور پر بیان کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنا معاملہ بہترین طریقے سے پیش کرتا ہے' یعنی دونوں صدارتی امیدوار اور قانون سازی کے عہدوں کے لیے تمام امیدوار۔ ہمارے عظیم انتظامی اور قانون سازی کے شعبوں نے دوبارہ کام شروع کر دیا ہے' سپریم کورٹ سب کچھ دیکھ رہی ہے اور ہمارا میڈیا جارحانہ ہے' جو ہم سب پر چیک رکھتا ہے۔

اس کے متعلق بات کرنے کی وجہ اور اس کے انکشافات کو دیکھنا میں پسند کرتا ہوں' کیونکہ یہ سب کچھ جمہوری نظام کے متعلق میرے عقیدے کو تقویت دیتا ہے اور یہ کمرے جہاں آپ موجود ہیں' انہیں محکمہ خارجہ کے ڈپلومیٹک کمرے کہا جاتا ہے۔ اس خاص کمرے کا نام بن فرینکلن کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اگلا کمرہ تھامس جیفرسن اور پھر ایک اور کمرہ جان ایڈمز اور ایک کمرہ میڈیسن اور منرو کے ناموں پر ہے' جو تمام ہمارے ملک کے بانیوں میں سے ہیں۔

جب میں اپنے نظام کے تحت ہر چند سال بعد الیکشن ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں اور میں شور شرابا اور بھاگ دوڑ دیکھتا ہوں اور پھر میں نتائج دیکھتا ہوں کہ امریکی عوام کس طرح ایک بار پھر یک رائے ہوتے ہیں' تو اکثر میں اس کمرے میں آ جاتا ہوں اور ادھر ادھر دیکھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ وہ شریف لوگ ابھی تک کہیں نہ کہیں سے ستائشی نظروں سے دیکھ رہے ہیں: یہی وہ طریق کار ہے' جس کی ہمیں خواہش تھی۔ یہ اتنے زیادہ سال گزرنے کے بعد بھی قابل عمل ہے۔

مجھے بہت زیادہ خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ اس عرصے میں آپ بھی یہاں موجود تھے' جہاں آپ یہ سب کچھ دیکھ سکتے تھے اور جب آپ وطن واپس جائیں' تو شاید اپنے ساتھیوں کو اس کے متعلق بتا سکیں۔

اس شام یہاں ہمارے پاس بہت اچھا گروپ موجود ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز گروپ ہے' ایک بہت متنوع قسم کا گروپ۔ ہمارے یہاں مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک اور درمیان میں ہر مقام کے مسلمان موجود ہیں۔ ہمارے ہاں ہائی سکولوں میں پڑھنے والے بھی ہیں' بزرگ بھی ہیں' فل برائٹ سکالر اور تاجر' ڈاکٹر' قانون دان اور حتیٰ کہ چند

خاص مضمون

کولن پاول (امریکی وزیر خارجہ)

سفارتکار بھی ہیں۔

میں ہمیشہ ایک بات پر زور دیتا ہوں اور ایسا پہلی بار گزشتہ سال ہوا تھا کہ میں اپنی میز پر نوجوان لوگوں کو بٹھاؤں' کیونکہ ان کے منہ سے یہ سننا بہت دلچسپ لگتا ہے کہ امریکہ میں انہوں نے کیا کچھ دیکھا ہے اور ان سے یہ سننا بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ امریکہ میں اپنے تجربات کے متعلق ان کے خیالات کیا ہیں اور اس شام بھی میں نے یہی کچھ کیا ہے اور میز پر ہماری حیرت انگیز گفتگو ہوئی ہے۔

میں آپ سب کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے رمضان کا یہ دن ہمارے ساتھ گزارا۔ کئی سال سے کبھی کبھی میں اپنے مسلمان دوستوں سے سنا کرتا تھا کہ رمضان کیا چیز ہے۔ ان سے مجھے معلوم ہوا کہ رمضان ایک ایسا مہینہ ہے' جو سوچ بچار اور تجدید عہد کے لیے مخصوص ہے اور روزے' عبادت اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے نظم و ضبط نے اسے مفاہیم کے ضمن میں زیادہ سنجیدہ اور عمیق بنا دیا ہے۔

رمضان ایک ایسا مہینہ ہے' جب مسلمان اپنے آپ کو تعاون' ہمدردی اور کمیونٹی کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ فراخدلی کا مہینہ بھی ہے' جس میں کسی بھی ہمسائے سے منہ نہیں موڑا جاتا۔

مسلمانوں کی مہمان نوازی کی روایت تیرہ سو سال سے زیادہ عرصے سے جاری ہے۔ میں اس ایمان کو قابل ستائش سمجھتا ہوں' جس کے جذبے کا خوبصورت اظہار اس شام پہلے ہی ہم دیکھ چکے ہیں۔

جدید زمانے میں امریکی سفارتکار اور تاجر اور خواتین' جو مسلمان معاشروں والے ممالک میں کام کرتے ہیں' درجنوں افطار عشائیوں میں مہمان کے طور پر شرکت کرتے ہیں۔ یہ ان متعدد روئیوں میں سے ایک ہے' جس کے تحت مسلمان اپنے ملکوں میں امریکیوں کا خیر مقدم کرتے ہیں اور ہم رمضان کے اس جذبے کی بہت قدر کرتے ہیں۔ جس طرح مسلمان ممالک میں امریکی اپنے وطن جیسا سکون محسوس کرتے ہیں' اسی طرح مسلمان بھی امریکہ میں اپنے وطن جیسا سکون محسوس کرتے ہیں۔ جس طرح افطار میں بھائی چارے کے جذبے کا اظہار ہوتا ہے' اسی طرح امریکہ بھی سب کے لیے کھلا ہے' ہر ایک کا خیر مقدم کرتا ہے' جیسا کہ آج ہم امریکہ میں متنوع اور فروغ پذیر مسلمان کمیونٹی کو دیکھ رہے ہیں۔

در اصل میرے تقریر کرنے سے پہلے جو گفتگو ہم کر رہے تھے' وہ امریکہ میں آنے والے لوگوں کے متعلق تھی۔ یہ گفتگو امیگریشن کے متعلق تھی اور میں اپنی فیملی لائف کے تجربے بیان کر رہا تھا' جو اس فراخ دل ملک میں پیش آئے ہیں۔ اپنے ملک اور دنیا کی سیکورٹی کے متعلق ہماری انتہائی تشویش کے باوجود امریکہ ایک فراخدل اور خیر مقدم کرنے والا مقام ثابت ہوا ہے۔ ایک ایسا مقام جو دیکھے جانے کے قابل ہے' جہاں کام ملتا ہے' جہاں تعلیم حاصل کی جا سکتی ہے' جہاں سکون ملتا ہے اور جہاں رہائش رکھی جا سکتی ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ یہ روشنی ساری دنیا کو نظر آئے کہ ہم ایک ایسی ہی قوم ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ آئیں اور ٹائم سکوائر اور ہماری طربیہ محفلیں دیکھیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ آئیں اور ڈزنی ورلڈ دیکھیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری یونیورسٹیوں میں آئیں۔ اس طرح آپ دیکھ سکیں گے کہ ہم کیا ہیں' ایک فراخدل اور خیر مقدم کرنے والا ملک!!

میں اس کمرے میں موجود ہر شخص کی نسبت زیادہ جانتا ہوں کہ نائن الیون کے نتیجے میں ہمیں اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے کچھ ایسے اقدامات کرنا پڑے ہیں' جو

مسلمان دُنیا اور جمہوریت

خاص مضمون

کولن پاول (امریکی وزیر خارجہ)

سب کچھ دیکھ رہی ہے اور ہمارا میڈیا جارحانہ ہے' جو ہم سب پر چیک رکھتا ہے۔

اس کے متعلق بات کرنے کی وجہ اور اس کے انکشافات کو دیکھنا میں پسند کرتا ہوں' کیونکہ یہ سب کچھ جمہوری نظام کے متعلق میرے عقیدے کو تقویت دیتا ہے اور یہ کمرے جہاں آپ موجود ہیں' انہیں محکمہ خارجہ کے ڈپلومیٹک کمرے کہا جاتا ہے۔ اس خاص کمرے کا نام بن فرینکلن کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اگلا کمرہ ٹامس جیفرسن اور پھر ایک اور کمرہ جان ایڈمز اور ایک ایک کمرہ میڈیسون اور منرو کے ناموں پر ہے' جو تمام ہمارے ملک کے بانیوں میں سے ہیں۔

جب میں اپنے نظام کے تحت ہر چند سال بعد الیکشن ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں اور میں شور شرابا اور بھاگ دوڑ دیکھتا ہوں اور پھر میں نتائج دیکھتا ہوں کہ امریکی عوام کس طرح ایک بار پھر یک جان ہوتے ہیں' تو اکثر میں اس کمرے میں آجاتا ہوں اور ادھر ادھر دیکھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ وہ شریف لوگ ابھی تک کہیں نہ کہیں سے ستائشی نظروں سے دیکھ رہے ہیں: یہی وہ طریق کار ہے' جس کی ہمیں خواہش تھی۔ یہ اتنے زیادہ سال گزرنے کے بعد بھی قابل عمل ہے۔

مجھے بہت زیادہ خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ اس عرصے میں آپ بھی یہاں موجود تھے' جہاں آپ یہ سب کچھ دیکھ سکتے تھے اور جب آپ وطن واپس جائیں' تو شاید اپنے ساتھیوں کو اس کے متعلق بتا سکیں۔

اس شام یہاں ہمارے پاس بہت اچھا گروپ موجود ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز گروپ ہے' ایک بہت متنوع قسم کا گروپ۔ ہمارے یہاں مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک اور درمیان میں ہر مقام کے مسلمان موجود ہیں۔ ہمارے ہاں ہائی سکولوں میں پڑھنے والے بھی ہیں' بزرگ بھی ہیں' فل برائٹ سکالر اور تاجر' ڈاکٹر' قانون دان اور حتیٰ کہ چند سفار تکار بھی ہیں۔

میں ہمیشہ ایک بات پر زور دیتا ہوں اور ایسا پہلی بار گزشتہ سال ہوا تھا کہ میں اپنی میز پر نوجوان لوگوں کو بٹھاؤں' کیونکہ ان کے منہ سے یہ سننا بہت دلچسپ لگتا ہے کہ امریکہ میں انہوں نے کیا کچھ دیکھا ہے اور ان سے یہ سننا بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ امریکہ میں اپنے تجربات کے متعلق ان کے خیالات کیا ہیں اور اس شام بھی میں نے یہی کچھ کیا ہے اور میز پر ہماری حیرت انگیز گفتگو ہوئی ہے۔

میں آپ سب کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے رمضان کا یہ دن ہمارے ساتھ گزارا۔ کئی سال سے کبھی کبھی میں اپنے مسلمان دوستوں سے سنا کرتا تھا کہ رمضان کیا چیز ہے۔ ان سے مجھے معلوم ہوا کہ رمضان ایک ایسا مہینہ ہے' جو سوچ بچار اور تجدید عہد کے لیے مخصوص ہے اور روزے' عبادت اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے نظم و ضبط نے اسے مفاہیم کے ضمن میں زیادہ سنجیدہ اور عمیق بنادیا ہے۔ رمضان ایک ایسا مہینہ ہے' جب مسلمان اپنے آپ کو تعاون' ہمدردی اور کمیونٹی کے لیے وقف کردیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ فراخدلی کا مہینہ بھی ہے' جس میں کسی بھی ہمسائے سے منہ نہیں موڑا جاتا۔

مسلمانوں کی مہمان نوازی کی روایت تیرہ سو سال سے زیادہ عرصے سے جاری ہے۔ میں اس ایمان کو قابل ستائش سمجھتا ہوں' جس کے جذبے کا خوبصورت اظہار اس شام پہلے ہی ہم دیکھ چکے ہیں۔

جدید زمانے میں امریکی سفار تکار اور تاجر اور خواتین' جو مسلمان معاشروں والے ممالک میں کام کرتے ہیں' درجنوں افطار عشائیوں میں مہمان کے طور پر شرکت کرتے ہیں۔ یہ ان متعدد درو‌یوں میں سے ایک ہے' جس کے تحت مسلمان اپنے ملکوں میں امریکیوں کا خیر مقدم کرتے ہیں اور ہم رمضان کے اس جذبے کی بہت قدر کرتے ہیں۔ جس طرح مسلمان ممالک میں امریکی اپنے وطن جیسا سکون محسوس کرتے ہیں' اسی طرح مسلمان بھی امریکہ میں اپنے وطن جیسا سکون محسوس کرتے ہیں۔ جس طرح افطار میں بھائی چارے کے جذبے کا اظہار ہوتا ہے' اسی طرح امریکہ بھی سب کے لیے کھلا ہے' ہر ایک کا خیر مقدم کرتا ہے' جیسا کہ آج ہم امریکہ میں متنوع اور فروغ پذیر مسلمان کمیونٹی کو دیکھ رہے ہیں۔

دراصل میرے تقریر کرنے سے پہلے جو گفتگو ہم کر رہے تھے' وہ امریکہ میں آنے والے لوگوں کے متعلق تھی۔ یہ گفتگو امیگریشن کے متعلق تھی اور میں اپنی فیملی لائف کے تجربے بیان کر رہا تھا' جو اس فراخ دل ملک میں پیش آئے ہیں۔ اپنے ملک اور دنیا کی سکیورٹی کے متعلق ہماری انتہائی تشویش کے باوجود امریکہ ایک فراخدل اور خیر مقدم کرنے والا مقام ثابت ہوا ہے۔ ایک ایسا مقام جو دیکھے جانے کے قابل ہے' جہاں کام ملتا ہے' جہاں تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے' جہاں سکون ملتا ہے اور جہاں رہائش رکھی جاسکتی ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ یہ روشنی ساری دنیا کو نظر آئے کہ ہم ایک ایسی ہی قوم ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ آئیں اور ٹائم سکوائر اور ہماری طربیہ محفلیں دیکھیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ آئیں اور ڈزنی ورلڈ دیکھیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری یونیورسٹیوں میں آئیں۔ اس طرح آپ دیکھ سکیں گے کہ ہم کیا ہیں' ایک فراخدل اور خیر مقدم کرنے والا ملک!!

میں اس کمرے میں موجود ہر شخص کی نسبت زیادہ جانتا ہوں کہ نائن الیون کے نتیجے میں ہمیں اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے کچھ ایسے اقدامات کرنا پڑے ہیں' جو بہت سے لوگوں کے لیے پریشانی کا باعث بنے ہیں' جو امریکہ کا سفر کرنا چاہتے ہیں' لیکن انہیں مشکلات پیش آئی ہیں۔ لیکن میں اس شام یہاں موجود آپ سب کو یقین دلانا چاہتا ہوں اور وہ جو اس تقریب کو دیکھ رہے ہیں' یا سن رہے ہیں کہ ہم ہر ایسا اقدام کر رہے ہیں کہ ہماری سکیورٹی اور ہماری فراخدلی کے درمیان توازن برقرار رہے۔ صدر بش نے واضح طور پر کہا ہے کہ ہمیں فراخدل اور خیر مقدم کرنے والا مقام بنے رہنا چاہئے اور اسی طرح انہوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ امریکہ ساری دنیا میں ان لوگوں کے ساتھ ہوگا' جنہیں اس کی ضرورت ہے' چاہے انکا تعلق کسی بھی نسل یا مذہب سے ہو۔

ہمارے پاس ریکارڈ ہے اور پھر کچھ حقائق ایسے ہیں' جو میں آپ کو بتانے جا رہا ہوں۔ ان حقائق کو میں اچھی طرح جانتا ہوں' کیونکہ میں جن واقعات کو آپ کے سامنے بیان کرنے جا رہا ہوں' میں برسوں سے ذاتی طور پر ان میں شامل تھا۔

امریکی سپاہیوں نے مسلم اور غیر مسلم دونوں طرح کے اتحادیوں کے ساتھ مل کر اور اپنے آپ کو مشکل میں ڈال کر کویت کو آزاد کروالیا تھا۔ ہم نے صومالیہ کے لوگوں کو خوراک پہنچانے کے عمل کی قیادت کی۔ ہم نے بوسنیا اور کوسوو میں مسلمانوں کے قتل عام کو روکنے کے لیے اپنا کردار ادا کیا۔ صدر بش پہلے صدر ہیں' جنہوں نے اقوام متحدہ کے سامنے فلسطین کی آزاد ریاست کی حمایت کی' جو اسرائیل کی ریاست کے ساتھ امن اور سلامتی کے ساتھ رہے۔ انہوں نے اپنی حالیہ نیوز کانفرنس میں بھی اپنی اسی بات کا اعادہ کیا۔

ہم نے افغانستان اور عراق میں طالبان اور صدام حسین کے مظالم سے پچاس ملین مسلمانوں کو بچانے کے لیے بہت زیادہ کوششیں کیں اور قربانیاں دیں۔ امریکہ نے ڈارفر کے بحران کے حل کے لیے اپنا کردار ادا کیا۔ یہ علاقہ اس خطے کے مسلمانوں کے لیے انتہائی المناک مشاہدات کا حامل ہے۔ جب تک یہاں صورتحال ٹھیک نہیں ہو جاتی' اس وقت تک ہم اپنا کردار ادا کرتے رہیں گے۔ (جاری ہے) ☆

قندِ مکرر

بلا عنوان!

محبت کی ضرورت ہے' تدبر کی ضرورت ہے
جناحؒ جیسے بلند قامت مدبر کی ضرورت ہے
جو فکری رہنمائی کر سکے' اس قوم کی اب تو
ہمیں اقبالؒ جیسے اِک مفکر کی ضرورت ہے

رانا محبوب عالم

صدر پرویز مشرف کا ماڈریٹ اسلام

صدر پرویز مشرف نے وہ بات بڑی دلیری سے کہہ دی، جسے چاہتے ہوئے بھی نہ کہہ سکنے کی پاداش میں سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو تختہ دار پر چڑھ گئے۔ صدر نے درست کہا کہ داڑھیاں اور برقعے ہر ایک کا ذاتی معاملہ ہے۔ اس سلسلے میں کوئی کسی دوسرے پر دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ یقیناً بھٹو صاحب اگر یہی بات بانگ دہل کہہ دیتے تو مولویوں کی بلیک میلنگ سے صاف بچ سکتے تھے۔ دنیا بھر خصوصاً یورپ میں تیزی سے یہ صورتحال واضح ہو رہی ہے کہ ماڈریٹ اسلام کی فلاسفی ہی دنیا بھر کے مسلمانوں کو نفرت سے بچا سکتی ہے۔ پاکستان کو عالم اسلام کا قلعہ کہنے اور سمجھنے والوں کو اس حقیقت کا ادراک بھی کرلینا ہوگا کہ ماڈریٹ اسلام کا مقصد اسلامی اقدار و روایات کا خاتمہ اور مغربیت کا بول بالا نہیں، بلکہ اسلامی قوانین کی آڑ میں انتہا پسندی اور نفرت انگیزی کو جڑ سے اکھاڑنا ہے، یقیناً صدر پرویز مشرف کے ماڈریٹ نظریات کا مطلب بھی یہی ہوگا۔

برطانوی اخبارات میں شائع ہونے والی ایک تازہ رپورٹ بتاتی ہے کہ یورپی یونین کے پچیس ملکوں میں مسلمانوں کو ناپسند کرنے کا رجحان بڑھ گیا ہے اور مجموعی طور پر 52 فیصد دیگر مذاہب کے لوگ مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں۔ سویڈن میں یہ شرح سب سے زیادہ 72 فیصد ہے، جبکہ ڈنمارک میں 67 فیصد لوگ مسلمانوں کے خلاف ہیں۔ اس سلسلے میں برطانیہ آج بھی قدرے روادار معاشرہ ہے، جہاں مسلمانوں سے نفرت کی شرح دیگر مغربی ممالک سے خاصی کم ہے۔ اس ضمن میں ابھی حال ہی میں برطانیہ کی انتہا پسند (بی این پی) برٹش نیشنل پارٹی کے صدر نک گریفن کو مذہبی منافرت پھیلانے کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا ہے۔

اس بات کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ترکی کو یورپی یونین میں شامل کیے جانے کی درخواست کی برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے کھل کر حمایت کی ہے اور کہا ہے کہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے

لندن لیٹر

وجاہت علی خان

درمیان تہذیبوں کا تصادم ہے، ان کی آنکھیں اب کھل جانی چاہئیں۔ مسلمان اور عیسائی ایک ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں اور دہشت گردی کا قلع قمع کرنے میں بھی ایک دوسرے کے مددگار ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ترکی مشرق وسطیٰ اور یورپ کے مابین پل کا کام کرے گا اور اسلامی تہذیب کے ساتھ جمہوری ریاست کی بھی ایک مثال ہوگا۔

برطانوی رواداری کا ایک اور تازہ واقعہ یہ ہے، جس میں برطانیہ کی سب سے اعلیٰ عدالت لاء لارڈز نے ان نو مسلمانوں کی نظربندی کو غیر قانونی قرار دیا ہے، جنہیں تین سال پہلے دہشت گردی کے تحت بغیر مقدمہ چلائے جیل میں رکھا گیا تھا۔ نو کے مقابلے میں آٹھ ججوں نے کہا ہے کہ بغیر فرد جرم عائد کیے غیر معینہ مدت کے لیے نظربندی انسانی حقوق کے یورپی کنونشن کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ ججوں کے اس فیصلے نے سابق ہوم سیکرٹری ڈیوڈ بلانکٹ کے دہشت گردی ایکٹ کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ ججوں نے کہا ہے کہ اس قانون کی وجہ سے برطانیہ یورپی کنونشن کی دفعہ 5 سے جو آزادی کے حق کے بارے میں ہے، سے باہر ہو سکتا ہے۔

یہ مثالیں اس لیے بھی ضروری ہیں کہ زندہ معاشروں میں قانون، رواداری اور انسانی حقوق کی دلیل دیگر تمام دلائل سے برتر اور افضل ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر مغربی معاشرے مسلمانوں سے نفرت کرنے لگے ہیں، تو اس نہج پر غور کرنے کی اشد ضرورت ہے کہ اس کی وجوہات کیا ہیں؟ کیا اس نفرت کے ذمہ دار ہم خود ہی تو نہیں ہیں؟ اور کیا ہم روزمرہ کی سیدھی سادی مذہبی ڈیوٹی کے لیے لایعنی ترجیحات میں الجھ کر دنیا کے سامنے خود کو انتہا پسند ثابت کرنے کا سبب تو نہیں بن رہے؟

صدر پرویز مشرف جس طرف قدم بڑھانا چاہتے ہیں، وہ بھی شاید یہی ہے کہ متوازن معاشرے کی تکمیل کے لیے بہتر انسان ہونا اولین شرط ہے۔ مذہبی ڈیوٹی پوری کرنا یا نہ کرنا انسانوں کا ذاتی معاملہ ہے، جس کا تعلق براہ راست اللہ اور بندے کے درمیان ہے۔ خود کو روادار معاشرہ بنانے کے لیے کم از کم پاکستانی سوسائٹی میں یہ اساس قائم کرنا تو رواں دور میں ازبس ضروری ہے۔ اس ضمن میں کئی اسلامی ملکوں نے ایسا ہی اعتدال پسند رویہ اپنایا ہے، جن میں دبئی، ترکی اور مصر سرفہرست ہیں، جہاں یہ کہہ دیا گیا ہے کہ یہ راستہ "مسجد" اور یہ راستہ "کلب" کی طرف جاتا ہے۔ اب یہ فرد کی مرضی ہے کہ وہ کدھر جانا پسند کرتا ہے۔ دین کے معاملے میں ہم زبردستی نہیں کر سکتے، لیکن جو قانون بنا دیا گیا ہے، اس میں کوئی نرمی برداشت نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ ان ممالک میں شراب پر بھی کوئی پابندی نہیں، کپڑے بھی اپنی مرضی کے مطابق پہنے جا سکتے ہیں اور اپنے اپنے مذہب کے مطابق عبادات بھی آزادی سے کی جا سکتی ہیں۔

پاکستان کے پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ ختم کرنے کا فیصلہ بھی موجودہ حکومت کا ایک بہترین اقدام ہوگا، کیونکہ اس سے بھی پاکستان کو ماڈریٹ بنانے کے لیے ایک قدم آگے بڑھانے میں مدد ملے گی۔ اگر پاکستان اسلام کا قلعہ ہے تو اسے اسلامی دنیا کے قائد کا کردار ادا کرنا ہوگا اور دوسرے اسلامی ملکوں کے لیے بھی دنیا کے ساتھ قدم ملانے کی بہتر، مضبوط اور قابل عمل مثال قائم کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر سے جبر و تشدد، خوف و ہراس، تمثیلات کے رجحانات اور اساتیری داستانوں کے ہوشربا قصوں کی دروغ بیانیوں کے دبستانوں کو مکمل طور پر بند کرنا ہوگا۔

(وجاہت علی خان لندن میں روزنامہ خبریں کے نمائندہ خصوصی اور مستقل کالم نگار ہیں) ☆

طلبی

حکمِ اذاں

ڈاکٹر حسین احمد پراچہ

hussainpiracha@hotmail.com

مجھے اچانک مدینہ سے بلاوا آ گیا۔ گذشتہ روز نماز ظہر کے بعد جو واقعہ پیش آیا اس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ دراصل ایک نکتہ سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کے لئے دربار مصطفی میں میری طلبی ہوئی ہے یہ طلبی بڑے نصیب کی بات ہے۔ نماز ظہر کی تکبیر سے ذرا پہلے میں نے دیکھا کہ ایک باریش بزرگ کہ جنھوں نے پنجاب کا دیہاتی لباس زیب تن کر رکھا تھا وہ اپنے سے آگے انڈونیشیا کے ایک بوڑھے کی کوئی بات سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں اور انڈونیشی بوڑھے نے اپنے نیچے جو ذاتی جائے نماز بچھا رکھا تھا اسے کھینچنے پر تلے ہوئے ہیں۔ مجھے اس صورتحال سے قدرے الجھن ہوئی کہ ہمارے پاکستانی بزرگ خواہ مخواہ دوسروں کو تنگ کر رہے ہیں۔ اس دوران تکبیر ہو گئی۔ میں نے دل میں تہیہ کیا کہ نماز کے بعد بزرگ محترم سے معلوم کرونگا کہ وہ ایسا کیوں کر رہے تھے۔

نماز کے بعد میں نے نورانی چہرے والے باریش بزرگ سے پوچھا کہ وہ انڈونیشیا کے نمازی کے نیچے والا جائے نماز کیوں کھینچ رہے تھے۔ بزرگ نے ایک آہ سرد کیساتھ فرمایا کہ اس جائے نماز پر روضہ رسولؐ کی تصویر موجود ہے۔ روضے والے جائے نماز پر نماز کی ادائیگی بہت بڑی بے ادبی ہے۔ روضے کے نقشے کا قدموں تلے ہونا بے ادبی بھی ہے اور بے ذوقی بھی۔ یہ بتا کر بزرگ نے محبت سے میرا ہاتھ تھاما اور فرمایا ایک بات اچھی طرح خود بھی سمجھ لو اور جو نہیں سمجھتے انہیں سمجھا دو کہ ادب کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اسکے ساتھ ہی بزرگ نے باادب ہونے کی اہمیت کے بارے میں پنجابی زبان کے صوفی شاعر میاں محمد صاحب کا ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم اردو میں یوں ہے۔ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔ بزرگ نے ادب کی اہمیت کو جس محبت آمیز لہجے میں اجاگر کیا اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ پاکستان کے حوالے سے کچھ معرفت کی باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ہماری سیاست کو قرار نہیں۔ میں نے پوچھا کہ نماز عصر کے بعد آپ کہاں تشریف فرما ہوں گے تاکہ آپکی گلوں کی طرح مہکتی ہوئی باتوں سے مستفید ہو سکوں۔ بزرگ • نے مسکراتے ہوئے کہا کہ سانپوں اور جنوں کا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کب کدھر نکل جائیں۔

البتہ سردست پاکستان کے حاکم کو اتنا بتا دو کہ بانصیب ہونے کیلئے باادب ہونا ضروری ہے۔ نماز عصر کے بعد میں نے بزرگ کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ کہیں نظر نہ آئے۔

پاکستان کے حاکم کو معلوم ہونا چاہئے کہ مطلوب تو عمل ہے مگر کم از کم قرآن و سنت کی تعلیمات کے بارے میں بات کرتے ہوئے دامن احتیاط اور قرینہ ادب دونوں ملحوظ خاطر رہنے چاہئے۔ پاکستانی حاکم کو ادب کی اہمیت کے علاوہ اور بہت کچھ بتانے اور سمجھانے کی ضرورت ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ترقی پسندی اور اعتدال پسندی کا پرچار کرنے والے حاکم کو معلوم ہونا چاہئے کہ کیا آمریت ترقی پسندی ہے یا جمہوریت۔ کسی بھی جمہوری ملک کا شہری صدر ترقی پسندی کی دلیل ہے یا فوجی صدر اور کیا آزاد پارلیمنٹ ترقی پسندی کا مظہر ہے یا پابہ زنجیر پارلیمنٹ۔

پاکستان کے حاکم سے ایک اور بات بھی پوچھنے والی ہے کہ نت نئے ڈرامے اور سسپنس تو فلموں میں اچھے لگتے ہیں مگر ایک باوقار اور ترقی کی راہ پر گامزن قوم کو ڈرامائی اقدامات سے مکمل طور پر اجتناب کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ طے شدہ قومی اہداف کے لئے اور منزل کے حصول کے لئے ایک اور متحد ہو کر محنت اور جدوجہد کر سکے۔ عرض یہ ہے کہ پاکستانی سیاست سے ڈرامائی عنصر کب ختم ہوگا اور کب ملک کے شہری دستور و قانون میں لکھے ہوئے دائرہ کار کے مطابق اپنا اپنا کام کریں گے۔

میں نے مسجد نبوی میں جہاں پاکستان کے استحکام اور ترقی کے لئے دعا کی وہاں میں نے صمیم قلب کے ساتھ اللہ کے حضور یہ درخواست بھی پیش کی پاکستان کی سیاست سے ڈرامائی عنصر کا خاتمہ ہو۔ میں نے صدر پاکستان کے بارے میں یہ دعا کی سول شہری صدر بن کر قوم کے سامنے آئیں اپنے وعدہ کی پاسداری کر کے سرخروئی حاصل کریں اور اقوام عالم کے سامنے پاکستانی قوم کا سر فخر سے بلند کر دیں۔

میں نے مسجد نبوی میں لاہور کے سید زادے کے حق میں دعا کی کہ جس نے حکومتی قافلے میں ہونے کے باوجود حق گوئی کا حق ادا کر دیا جس نے حضرت موسیٰ کی سکھائی ہوئی دعا کہ اے مولا! میرا سینہ حق کے لئے کھول دے، میرا کام سہل کر دے اور مشکل بات کہنا میرے لئے آسان بنا دے۔ پڑھ کر ایوان بالا میں صدر کے وردی میں رہنے کو معاہدے کی خلاف ورزی قرار دیا۔ مجھے بعض ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ یہ سید زادہ الفاظ کے مناسب اور موزوں چناؤ پر دسترس رکھتا ہے۔

میں نے اپنی قوم کے لئے بھی دعا کی کہ وہ نسلی، لسانی اور علاقائی تعصبات سے بالاتر ہو کر فیصلے کرے۔ عرش سے ناموں کا جواب آتے دیکھ کر میں نے یہ دعا بھی پیش کر دی کہ اے مولا! قوم عمر بن خطابؓ کی نصیحت کو پلے باندھ لے تاکہ جب حاکم وقت سیدھی راہ سے ہٹے تو اسے سیدھا کر دے کیونکہ حاکم سے حقیقی بھلائی کا تقاضا یہی ہے۔

میں تو مدینہ میں طلبی کو اپنی خوش نصیبی پر محمول کرتا ہوں تاہم ہر حاکم کو اس وقت سے بچنے کی تدبیر کرنی چاہئے جب اس کی طلبی عوام کی عدالت میں ہو جائے۔